سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام

سید کاظم نقوی، ریڈر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۱)

دنیا کا سب سے اہم مسئلہ جو ہر دماغ پر چھایا ہوا ہے دنیائے انسانیت کے لیے کسی ایسے معاشی نظام کا معین کرنا ہے جو اس کے تمام امتیازی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے مناسب اور مفید ہو، جسے مستقل طور پر لائحۂ عمل بنانے سے انسان کی معاشی زندگی کا ہر رُخ اجاگر ہو جائے۔ اس مسئلے کی بابت نہایت متانت، سنجیدگی، اخلاص اور وسعت نظر کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس گتھی کا الجھا رہنا اور اس کے سلجھانے میں دماغوں کا مختلف سمتوں میں چلا جانا پوری انسانیت کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ قانون اور نظام پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ انسان کے سماجی وجود کی پوری عمارت قانون اور نظام کی بنیادوں پر قائم ہے۔

یہ مسئلہ انسان کے سامنے پہلی مرتبہ نہیں آیا ہے۔ اس کی جڑیں تاریخ انسانیت کے میدانوں میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جب سے انسان نے معاشی، معاشرتی اور سماجی زندگی کے میدان میں قدم رکھا ہے اس کی تمام ذہنی توانائیاں اس مسئلے کو

حل کرنے میں صرف ہوتی رہی ہیں۔

مل جل زندگی بسر کرنے والے افراد کے درمیان کچھ مشترک باہمی روابط اور تعلقات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ ان تعلقات کی پیدائش انسان کی فطری ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر ہوتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان باہمی روابط کو ایک صحیح نظام اور قانون کی احتیاج ہے۔ یہ نظام جتنا انسانی فطرت کی حقیقی خصوصیات سے سازگار ہوگا اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان امن و امان اور خوش حالی کی فراوانی ہوگی۔

صحیح نظام معاش و تمدن کی کھوج میں انسانیت نے فکر و نظر کے بڑے لق ودق بیابانوں کی خاک چھانی ہے۔ انسان کو اس سلسلے میں لگاتار، تابڑ توڑ کوششیں کرنا پڑی ہیں۔ اس نے کامیابی اور ناکامی کے نہ جانے کتنے الٹے پلٹے کھائے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں انسانی دماغوں کے تیار کیے ہوئے متعدد اور مختلف اقتصادی اور معاشرتی نظام ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ان سب کا مقصد تمدنی عمارت کا نقشہ بتانا اور اس کی بنیادیں قائم کرنا ہے۔ انسان کی یہ پر خلوص کد و کاوش طرح طرح کے مصائب اور شدائد کی آماجگاہ رہی ہے۔ اگر اس کے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹیں آئی ہیں تو اس کی آنکھوں میں غم انگیز آنسو بھی ڈبڈبائے ہیں۔ اگر کبھی اتفاق سے امن و اطمینان اسے نصیب ہوا تو اس کے پہلو میں بدبختی نے اپنے پر جمائے ہیں۔

ان طولانی اور طاقت فرسا مصیبتوں اور بدبختیوں کا سبب صرف اور صرف ایک تھا۔ وہ یہ کہ انسان اپنے محدود علم و اطلاع کی وجہ سے اپنی تمام فطری خصوصیات کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی مکمل نظام زندگی نہیں مرتب کر سکا۔ اس نے منزل تک پہونچنے کے لیے جتنے خطوط کھینچے وہ سب صحیح نقطہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ دنیا نہیں مانتی نہ مانے انکار کر دینے سے حقیقتیں نہیں بدل سکتیں۔ واقعہ یہی ہے کہ اگر کسی ہدایت کے سورج کی کرنیں کبھی کبھی اس بدبخت انسان تک نہ پہونچتی رہتیں تو وہ ہمیشہ تاریکیوں کی

طوفانی موجوں میں ہاتھ پیر مارتا رہتا۔

ہم اس وقت یہ نہیں چاہتے کہ معاشرتی اور اقتصادی میدانوں میں انسان کی مسلسل دوا دوش کو پیش کریں۔ غم نصیب اور ستم رسیدہ انسانیت کی تاریخ لکھنا اور یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ وہ سالہا سال کن ہولناک فضاؤں میں سرگرداں رہی۔ ہمیں فی الحال ان نظریات کا جائزہ لینا ہے جو ایک سماجی اور اقتصادی نظام کے طور پر اس وقت انسان کے سامنے ہیں، ایسے سماجی اور اقتصادی نظام جو اس کے طولانی اور گہرے سوچ بچار کا نتیجہ ہیں۔ اس نے سیکڑوں سمتوں اور جہتوں کی خاک چھانی، طاقت فرسا کاوشیں اور جانفشانیاں کیں۔ مصائب و آلام کے سر بفلک پہاڑوں سے ٹکر لی۔ اس عظیم دوا دوش کے بعد کیا خیر و سلامتی، فلاح و بہبودی، امن و آشتی اسی میں ہے کہ ان موجود نظریات کو ساحل مراد سمجھ کر اپنے سفینۂ جد و جہد کا لنگر ڈال دیا جائے؟ کسی قسم کی مزید کوشش نہ کی جائے؟ اطمینان اور پورے اطمینان سے ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھ جایا جائے یا اب بھی کوشش کو جاری رہنا چاہیئے؟

یہ وہ اہم سوال ہے جو اپنے جواب کا پوری شدت سے مطالبہ کر رہا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے چار قسم کے اقتصادی اور معاشرتی نظام ہیں۔ ان میں سے پہلے تین عقل انسانی کے ساختہ پرداختہ، اس کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ آخری چوتھا نظام مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق عقل انسانی کے خالق کا بنایا ہوا ہے۔ انہی چاروں نظریات کی طرف عام ذہنیت مڑی ہوئی ہے۔ یہی علمی اور سیاسی مختلف رنگوں میں باہم مصروف پیکار ہیں۔ قدم قدم پر ان کے درمیان طرح طرح کے اختلافات چھڑے ہوئے ہیں۔

(۱) نظام سرمایہ داری
(۲) نظام اشتراکی

(۳) نظام مارکسی

(۴) نظام اسلامی

عملی طور پر مذکورۂ بالا نظاموں میں سے صرف دو نظاموں کو تسلط حاصل ہے۔ دنیا کے ایک بڑے حصہ میں نظام سرمایہ داری پر حکومت کی بنیاد ہے اور دوسرے بڑے حصہ میں نظام اشتراکی راجدھانی ہے۔ ان دونوں نظاموں کا سیاسی موقف بڑا نازک اور اہم ہے۔ اسی نزاکت اور اہمیت میں ان کی بقا کا راز مضمر ہے۔ ان میں سے ہر ایک سارے عالم کی سیاسی قیادت کے لیے کوشاں اور اس بات کا متمنی ہے کہ دنیا میں یکساں معاشرتی نظام رائج ہوجائے۔ نظام مارکسی اور نظام اسلامی کو اس وقت مکمل طور سے دنیا کے کسی حصے پر عملی تسلط حاصل نہیں ہے۔ ان کا وجود فکر اور تصور کی حدوں سے باہر نہیں نکل سکا ہے۔ بے شک گذشتہ دور میں دنیا کو اسلامی نظام کا ایک نہایت کامیاب تجربہ ہوا مگر افسوس اس کی عمر بہت مختصر تھی۔ مسلمانوں کی قیادت اپنے صحیح مرکز سے ہٹ کر ایسے لوگوں کے پاس پہونچ گئی جن کے دلوں میں اسلام کا پودا اچھی طرح جما نہ تھا۔ اصول اسلامی کے اصلی خدوخال سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ اس غلط قیادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام اسلامی اس ابتدائی مختصر مظاہرے کے بعد پھر بروئے کار نہ آسکا۔ اس کا وجود فلاسفہ کے ذہنوں میں فکر اور مسلمانوں کے دلوں میں عقیدہ بن کر رہ گیا۔ اب وہ ایک خوبصورت آرزو ہے جس کے برلانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ رہ گیا مارکسی نظام اس کا مکمل تجربہ اب تک نہیں ہو سکا ہے۔ وہ محض ایک فلسفی نظریے کی شان رکھتا ہے۔ کمیونزم کے حامی اب تک اس کوشش میں مصروف رہے ہیں کہ اس کے اجرا کے لیے زمین ہموار اور فضا تیار کریں۔ یہ واقعہ ہے کہ عنانِ حکومت اور زمامِ اقتدار ہاتھ میں آنے کے بعد وہ قانون مارکسیت کو سو فیصدی نافذ نہیں کر سکے۔ انھوں نے اپنی حکومت کا دستور نظام اشتراکی قرار دیا ہے۔

ہاں اس کے ساتھ وہ یہ برابر اعلان کرتے رہے ہیں کہ اشتراکیت مارکسیت تک پہونچنے کا زینہ ہے۔

سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ ان نظاموں کے درمیان اسلامی نظام کا درجہ کیا ہے؟

وہ صحیح مقصد کیا ہے جس کے ساحل تک ہمیں اپنی کشتی کھیکر پہونچانا ہے؟

۱۔ نظام سرمایہ داری

یہ بالکل غلط خیال ہے کہ اس نظام میں نری خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ اس نے اقتصادی، سیاسی، علمی اور فکری شعبوں میں بہت سی اصلاحیں کی ہیں۔ کسی نظام سے بنیادی اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی اچھائی کا اقرار نہ کیا جائے۔

نظام سرمایہ داری میں فرد اور اس کے شخصی فائدے کو مقصود اصلی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ قوم کے مفاد کی عمارت مفاد اشخاص کی بنیاد پر بلند ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں شخصی مفاد کے تحفظ پر جماعتی مفاد کے تحفظ کا دارومدار ہے۔ وہاں ہمیشہ حکومت کے پیش نظر افراد کا مفاد رہتا ہے۔ قوم انہی افراد کا مجموعہ ہے، لہٰذا سرمایہ داری انہی اشخاص کے منافع کی اجتماعی کیفیت کا نام ہے۔ قوم کی خوش حالی انہی افراد کی فارغ البالی کا دوسرا روپ ہے۔ نظام سرمایہ داری نے اپنی اسی فرد پرستی کی بنا پر ہر شخص کو چار قسم کی آزادی دی ہے۔

سیاسی[1] آزادی، اقتصادی[2] آزادی، مذہبی[3] آزادی، علمی اور فکری[4] آزادی۔

یوں سمجھنا چاہیئے کہ نظام سرمایہ داری انہی چار آزادیوں کو کہتے ہیں۔

سیاسی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو رائے دینے کا حق ہے، اس کی بات سنی جائے گی۔ اس کی رائے کا احترام کیا جائے گا۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے قوانین بنانا، ان کے جاری اور نافذ کرنے والے طبقہ کا انتخاب کرنا لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر معاشرتی نظام اور اس کی چلانے والی مشینری کا تعلق براہ راست افراد ملک سے ہوتا ہے۔ تمام قوانین انہی پر لاگو ہوتے ہیں۔ طبقۂ حاکم سے انہی کو نباہ کرنا پڑتا ہے۔ قوانین کے نقص اور حکام کی نا لائقی کا اثر چونکہ ملک کے باشندوں پر پڑتا ہے لہٰذا ان کی رائے کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ ان کی مستقل بدبختی اور خوش قسمتی کا تعلق انہی قوانین اور حکام سے ہے۔ قوم کی حیات اور موت انہی دونوں سے وابستہ ہے۔ قانون سازی اور حکام کے انتخاب کو کسی خاص فرد اور معین جماعت کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ تمام اہل ملک کو سیاسی حقوق میں برابر ہونا چاہئے۔ رائے دہندگی اور حق انتخاب کی بنیاد اسی نظریہ پر ہے۔ قوانین بنانے اور حکام معین کرنے کا مرحلہ باشندگان ملک کی اکثریت سے طے پائے گا۔

اقتصادی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ملک کے ہر فرد کے سامنے ہر قسم کے کاروبار کے دروازے کھلے ہوئے ہیں بلکہ حکومت خود اس بارے میں ہر مدد کے لیے تیار ہے۔ نظام سرمایہ داری نے ہر طرح کی چیزوں کے کھپانے اور فراہم کرنے کا مکمل حق باشندگان ملک کے سپرد کر دیا ہے۔ اس غیر محدود اقتصادی آزادی نے دنیا میں سرمایہ کو جنم دیا ہے۔ ہر شخص اپنے خصوصی فائدوں کی روشنی میں آزاد ہے کہ جتنی دولت چاہے اکٹھا کرلے۔ اس کے لئے جو راستہ مناسب ہو اختیار کرے۔ قانون کہیں پر بھی سدّ راہ نہیں ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر شخص کے پیش نظر صرف اپنا انفرادی فائدہ ہوگا اور دوسرے کے مفاد سے بالکل آنکھیں بند ہوں گی تو تجارتی معاہدات اور دوسرے معاملات میں انصاف، باہمی اعتماد اور دیانتداری کی ضمانت کیا ہے؟

اس کے جواب میں نظام سرمایہ داری کے حامیوں کا کہنا ہے کہ تفوق طلبی اور دوسروں سے بڑھنے کا جذبہ انسان میں فطری طور پر موجود ہے۔ اس کے پیدا کرنے

کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہم نے قانوناً ملک کے تمام باشندوں کو کاروباری حقوق میں مساوی قرار دیا ہے ۔ ہر شخص کو ہماری طرف سے اقتصادی آزادی حاصل ہے ۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی بس یہی تدبیر ہے کہ لوگوں کی نظر میں زیادہ سے زیادہ اپنے کو دیانتدار ثابت کیا جائے تاکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت اس پر زیادہ بھروسہ کریں ۔ یہی مقابلے اور فوقیت کا جذبہ کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالکوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر چیزیں تیار کریں ۔ یہی جذبہ اشیا کی قیمتوں کو بھی محدود اور معتدل رکھتا ، کارخانے کے مزدوروں اور دوسرے عملہ کی اجرتوں میں ظلم اور زیادتی سے بچاتا ہے ۔ ہر دوکاندار اور کارخانہ دار ڈرتا ہے کہ اگر ہم نے چیزوں کی قیمت بڑھا دی اور مزدوری کی اجرت کم کر دی تو ہم بدنام ہو کر پیچھے رہ جائیں گے اور ہمارے دوسرے ہم پیشہ آگے بڑھ جائیں گے ۔ اس کے علاوہ اشیاء کی قیمت کے اعتدال اور توازن کے لیے کسی مزید غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے ۔ اقتصادیات کے فطری اصول اس کا بندوبست کر لیں گے ۔ یہ طبعی اور فطری اصول ہے کہ قیمت کے چڑھنے سے مانگ کم ہو جاتی اور مانگ کے کم ہو جانے کی شکل میں قیمت گر جاتی ہے ۔ اس فطری اصول کا نتیجہ صاف ہے کہ جب بھی اشیا کی قیمت اپنے معتدل، صحیح حدود سے آگے بڑھے گی تو عموماً لوگ ان چیزوں کا خریدنا چھوڑ دیں گے ۔ ادھر ان اشیا کی مانگ کم ہو گی فوراً ان کی قیمتیں دوبارہ اپنی معتدل ، فطری منزل پر پلٹ آئیں گی ۔

مذہبی اور ذہنی آزادی کے الفاظ اگرچہ الگ الگ ہیں ورنہ مذہبی آزادی اسی ذہنی آزادی کی ایک شاخ ہے ۔ ان دونوں کے معنی بالکل صاف ہیں، یعنی ہر شخص اپنے عقائد اور افکار کے بارے میں آزاد ہے ۔ جس مسئلے کی بابت چاہے سوچے اور جس نظریے کو پسند کرے اپنا عقیدہ قرار دے ۔ قانون کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے ۔ وہ کسی شخص سے اس کے خیال اور عقیدے کی آزادی کو چھینتا نہیں ہے ۔ تمام

باشندگان ملک کو حکومت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنے افکار و نظریات کی تبلیغ کریں۔ ان عقائد پر جو اعتراضات کیے جائیں پوری طاقت سے ان کا جواب دیں۔

نظام سرمایہ داری کی اس تشریح اور تفصیل سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو گئی کہ اس کے نزدیک قوم کا مفاد افراد اور اشخاص کے مفاد سے وابستہ ہے۔ سماجی نظام کی دیواریں بلند کرنے میں لوگوں کے شخصی مفاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ صحت مند اور فائدہ بخش حکومت وہ ہے جو افراد قوم کی خدمت اور ان کے مفادات کی حفاظت کرے۔

نظام سرمایہ داری کی یہی وہ بنیادی اینٹیں ہیں جن کے لیے بڑی بڑی خون ریز بغاوتیں ہوئیں۔ نہ جانے کتنی قوموں نے اس راہ میں قابل قدر جہاد کیے۔ ان بغاوتوں کے گروہوں کے سربراہوں کا کہنا تھا کہ ہم ایک ایسے نظام کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی گود میں بہشت کی خوش حالی اور فارغ البالی مسکرا رہی ہے۔ وہ نظام اپنے دامن میں اطمینان اور امن و امان کا سایہ لیے ہوئے ہے۔ اس میں فقر و فاقہ اور افلاس و غربت کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)